یہ سطر شہید کے

عبد الرزاق زاہد سیالکوٹی

عظیم استاد خالد سیف شہیدؒ

جب سے یہ دنیا بنی ہے اور جب سے انسان اس کائنات میں آیا ہے انسانوں کی آمد کا سلسلہ ہنوز جاری ہے بلکہ روز قیامت تک جاری رہے گا۔ جس رفتار سے انسانوں کا اس دنیا میں ظہور ہو رہا ہے تقریباً اسی رفتار سے انسان اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر انسان نے اللہ کے مقرر کردہ وقت پر اپنی جان جان آفریں کے سپرد ضرور کرنی ہے۔

مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ ہم نے بعد از موت اللہ کے حضور پیش ہو کر اپنی زندگی کے ہر سانس کا حساب دینا ہے لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم ایسے کام کریں یا زندگی اس انداز سے گزاریں کہ ہماری عاقبت بہتر ہو جائے اور عاقبت بہتر بنانے کے لیے اللہ نے واضح ارشاد فرما دیا کہ :۔ ۞ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ۞ کہ اللہ نے اہل ایمان سے یہ سودا کر لیا ہے کہ یہ جان و مال اللہ کے راستے میں لٹا دیں یا لٹانے کی کم از کم نیت ہی کر لیں اگرچہ اس کو موقع نہ مل سکے اللہ اس کی آخرت کی زندگی کو سنوار دیں گے ان شاء اللہ۔

ان لوگوں سے زیادہ کون خوش قسمت ہو سکتا ہے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ مالی طور پر اللہ کی راہ میں بڑھ چڑھ کر تعاون کیا بلکہ جب وقت آیا تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ میری مراد وہ پاکیزہ روحیں ہیں جن کو ہم شہداء کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

آج میں ایک ایسی ہی ہستی کے بارے میں چند منتشر خیالات کو مجتمع کر کے تحریر کی شکل دینا چاہتا ہوں جس کے بارے میں مختصر اور جامع ترین الفاظ یہی ہیں کہ "سعادت کی زندگی شہادت کی موت"۔ میری مراد ایک عہد ساز شخصیت ایک مجاہد ساز مجاہد اور میرے مشفق اور عظیم استاد جناب محترم خالد سیف شہیدؒ ہیں۔ میں جس وقت

یہ سطور تحریر کر رہا ہوں حقیقت یہ ہے کہ دل و دماغ پر ایک سنسنی طاری ہے (جو استاد شہید کو یاد کرتے ہی طاری ہو جاتی ہے) ہاتھ کپکپا رہے ہیں اور بقول امجد اسلام امجد کے:-

یہ فرقتوں کا گزار موسم یہ وحشتوں کا اداس صحرا
میں ایسے موسم میں کس طرح سے محبتوں کا حساب لکھوں

میں ان خوش قسمت انسانوں میں شامل ہوں جو کہ شہید خالد سیف صاحب کے شاگرد تھے۔ اور یہ میری زندگی کی یادوں میں ایک حسین اضافہ ہے کہ میں نے تقریباً ایک سال تک اس عظیم انسان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے ہیں اور کتاب مقدس کے ابتدائی دو پاروں کا ترجمہ ان سے پڑھا ہے۔

میرے شہید استاد بے شمار خوبیوں کے حامل تھے دین کا ذوق اور قرآن و سنت سے محبت ان کی زندگی میں ایام طفولیت سے جزو لا ینفک کی طرح شامل ہو چکی تھی اور اس بنیاد نے ان کو دعوت دین اور جہاد فی سبیل اللہ کا وہ جذبہ دیا جس نے آنے والے وقتوں میں خالد سیف کو واقعی اسم بامسمی بنا دیا۔

میں چونکہ شہید خالد سیف کا شاگرد ہوں اس لیے ہو سکتا ہے قارئین کو یہ غلط فہمی ہو کہ اپنے استاد کے بارے میں مبالغہ آرائی کر رہا ہے لہذا میں تفصیلات میں جانے کی بجائے چند موٹی موٹی باتیں بیان کروں گا جو میں نے خود دیکھیں اور محسوس کیں۔

میرا شہید محترم سے اسوقت تعارف ہوا جب میں میٹرک کے بعد مئی 1989ء میں حصول علم کا مقصد لیکر جامعہ لاہور الاسلامیہ میں درجہ ثانیہ ثانوی میں داخل ہوا۔ شہید اس وقت جامعہ میں استاد تھے اور ان کی تحریکی، دعوتی اور جہادی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ مجھ کو اس وقت حالات کے بارے میں کوئی دسترس حاصل نہ تھی اور نہ ہی میں کسی تحریک، دعوت اور جہاد کے ناموں سے آشنا تھا ہماری کلاس مسجد میں ہوا کرتی تھی اور شہید کے پاس ہمارا ترجمے کا پیریڈ ہوتا تھا۔ اس لیے مجھے اپنے محترم استاد کو بہت

قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ قرآن حکیم ویسے بھی کتاب ہی ایسی ہے کہ شائد ہی کوئی نصیبوں جلا اس سے اعراض کرے یا اسکی تعلیم کی دوران عدم التفات کا مظاہرہ کرے اور خاص طور پر جب پڑھانے والا واقعی اس اہل ہو کہ جس کے بارے میں یہ بات کہی جاسکے کہ :۔

تمام رعنائی چمن میں تمہارا حسن نظر ہے شامل
تمہارے ہونٹوں کا ہے تبسم جو کھل رہے ہیں گلاب سارے

تو پڑھنے والے کانّ الطیور علےٰ رؤسھم کی عملی تفسیر بن جاتے ہیں شہید میں واقعی یہ خوبی تھی کہ ان کے سبق کے دوران ستر بہتر طلباء کی کلاس کے باوجود ہو کا عالم ہوتا اور شہید کی گفتگو میں ایک جادو ہوتا جب کوئی آیت پڑھ کر اس کا ترجمہ کرنے کے بعد اسکی تشریح کرتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے تشریح نہیں کر رہے بلکہ اللہ کے کلام کے بارے میں اپنی دلی محبت کو الفاظ کا روپ دیکر کانوں کے راستے تلامذہ کے دلوں میں اتار دینا چاہتے ہوں۔

جذبہ جہاد خالد سیف شہیدؒ کی زندگی میں اس طرح شامل تھا جس طرح جسد خاکی میں روح ہوتی ہے اس لیے جب کوئی ایسی آیت آجاتی جس میں جہاد کا ذکر ہوتا یا مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہوتا شہیدؒ کی سرخ وسپید رنگت مزید سرخ ہو جاتی دینی غیرت کی وجہ سے آنکھیں ابل آتیں یوں محسوس ہوتا جیسے ساری امت مسلمہ کا درد جمع کر کے میرے شہید استاذ کو دے دیا گیا ہو یہی وہ جذبہ جہاد تھا جس نے طلبائے "جامعہ لاہور الاسلامیہ" بلکہ پاکستان بھر کے مدارس کے طلباء میں جہاد کی ایسی روح پھونکی ایسی آتش غیرت کو ہوا دی جس کے نتیجے میں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں طلبائے جامعات دینیہ مختلف علاقوں میں قائم عسکری تربیت کے مراکز سے تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

شہید کی جہادی سرگرمیوں کی ایک ہلکی سی جھلک بھی اگر پیش کروں تو بات طول پکڑ جائے گی اور اختصار کا دامن ہاتھ سے نکل جانے کا اس لیے یہاں صرف ایک چھوٹی

سی بات ان کی جہادی سرگرمیوں کے حوالے سے کرنے کے بعد ان کی زندگی کا کوئی اور گوشہ بے نقاب کرتا ہوں۔ جس طرح کہ میں ابتداء میں عرض کر چکا ہوں شہیدؒ کی زندگی میں جذبہ جہاد روح کی طرح شامل تھا اسی جذبے کی تسکین کے لیے شہیدؒ نے بے شمار سلسلے شروع کر رکھے تھے مثلاً "صقارہ تیکو انڈو اکیڈمی" نزد قذافی اسٹیڈیم لاہور کورین کراٹے کی تربیت کے لیے پاکستان کا ایک مشہور ادارہ ہے اور اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ جذبہ جہاد کے بغیر ایک مسلمان کی زندگی بے معنی ہے اور اس جذبے کی تسکین کے لیے جہاد کرنا ضروری ہے اور جہاد سے پہلے (واعدوالھم ما استطعتم من قوہ) کی عملی تفسیر بنتے ہوئے جہاد کی عملی تربیت ضرری ہے۔ چنانچہ وہ ایام میری حسین ترین یادوں میں شامل ہیں جب ہم طلباء ساتھی "جامعہ لاہور الاسلامیہ" کے ساتھ پارک میں صبح صبح روزانہ فجر کے بعد جہاد کی عملی تربیت حاصل کرتے اور اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ وہاں استاد شاگرد کے روائتی فرق کو مٹا کر محترم خالد سیف صاحبؒ ہمارے ساتھ مل کر تربیت میں حصہ لیتے تھے اس سلسلۂ عظیم کی وجہ سے بے شمار طلباء نے جسمانی طور پر فائدہ اٹھایا اور (المومن ا لقوی خیر من المومن الضعیف) کی عملی تفسیر بنے۔

اب ذرا تھوڑا دعوتی کارناموں کا جائزہ لیا جائے جو شہید محترم کے نامہ اعمال کا حصہ بن کر ان کے مرتبہ و مقام میں علو کا باعث بنیں گے ان شاء اللہ۔ میرے استاد محترمؒ ایک بے باک مجاہد ہی نہیں بلکہ ایک شعلہ نوا خطیب بھی تھے خاص طور پر جب امت مسلمہ کے زوال کے بات کرتے تو سننے والے کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے اور ایسے گفتگو کرتے جیسے سارے المیے اور سارے ظلم کے پہاڑ کسی اور پر نہیں بلکہ خود خالد سیف شہیدؒ کی ذات پر ٹوٹے ہوں شہید کی ایک تقریر جو سقوط بغداد کے نام سے مشہور ہے اس میں امت مسلمہ کی تنزلی کی داستان سناتے ہوئے ان کے وہ الفاظ میری زندگی کا ایک حصہ ہیں کہ :۔

"اب میں ایسی بات کہنے والا ہوں جس کا تعلق ہماری تاریخ کے اس سیاہ باب سے ہے جو چنگیز خاں نے بغداد میں خون مسلم سے رقم کیا اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی یہاں اہل دل ہے تو اپنا کلیجہ تھام کر بیٹھے ممکن ہے کہ میری بات سن کر اس دل دھڑکنا بھول جائے" میرے محترم استاد کے یہ الفاظ بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں کہ :-

"دنیا میں رہتے ہوئے نہ دولت سے مرعوب ہوں نہ موت سے خوفزدہ جو آدمی دولت کے پیچھے بھاگے دولت اس کے ہاتھ نہیں آتی اور جو اس سے بے رغبتی کا اظہار کرے دولت اس کے پیچھے بھاگتی ہے جبکہ موت سے خوفزدہ ہونے والا بزدل ہے اور موت کی پروانہ کرنے والے سے موت بھی ڈرتی ہے"۔ میرے استاد اپنے اس قول کی عملی تفسیر تھے انہوں نے زندگی بھر کبھی دولت کی تمنا نہ کی جبکہ دولت ان کے پیچھے تھی اور موت سے وہ قطعاً خائف نہ تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان کو شہادت کے مرتبہ پر سرفراز فرمایا۔ (تقبل اللہ عنہ)

میں ان کی خطابت کی بات کر رہا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شہید کے پاس متعدد لوگ آتے لیکن اپنی تحریکی اور تدریسی سرگرمیوں کی وجہ سے میرے استاد محترمؒ ان سے معذرت کر لیتے زور بیاں عطا کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے شہیدؒ کے بارے میں خاصی فراخی سے کام لیا تھا۔

میں جس طرح ابتداء میں عرض کیا کہ مجھے اپنی کم مائیگی کا پورا پورا احساس ہے اور میں "چھوٹا منہ بڑی بات" سمجھتا ہوں کہ اس بطل حریت کے بارے میں اظہار خیال کروں لیکن :-

خود پیاس کا صحرا ہوں مگر دل کی یہ ضد ہے
ہر دشت پہ ساون کی طرح ٹوٹ کے برسوں

کے مصداق اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنا مناسب خیال کیا اور واقعی یہ میرے خیالات نہیں بلکہ ایک طرح سے اس فرزند توحید کے بارے میں ہدیہ عقیدت پر مشتمل دلی جذبات ہیں جن کو میں نے قلم و قرطاس کی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے

آخر میں اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے ہلکی سی جھلک ان مناظر کی بھی دکھادوں جب افغانستان کے کوہساروں نے میرے استاد کے پاکیزہ خون سے غسل کرکے آنے والے حسین مستقبل کی نوید سنائی لیکن شہادت کا اعزاز اپنی جگہ اس کے باوجود شہید ہونے والا بے شمار رنگینیوں کو ویران کرگیا اور بے شمار پر رونق چہروں کو پژمردہ کرگیا۔

یہ 23 مارچ 1990ء کی ایک عام سی رات تھی لیکن میرے لیے یہ رات بڑی اہم تھی کیونکہ میں ایک بے عمل انسان عمل کی راہ کی ابتداء کرتے ہوئے جہاد کی عملی تربیت کے لیے افغانستان روانہ ہو رہا تھا اور ایک اور لحاظ سے یہ رات خصوصی اہمیت کی حامل تھی کہ اس رات کے بعد میرے استاد، میرے محترم اور مشفق سرپرست مجھ سے آخری بار ملے گلے لگایا اور خصوصی دعاؤں سے نوازا۔ جس دن ہمارا قافلہ افغانستان سے واپس چلا اسی دن خالد سیف شہیدؒ کا قافلہ سوئے منزل شہادت عازم سفر ہوا۔

یہ تقریباً مئی کے ابتدائی دن تھے "جامعہ لاہور الاسلامیہ" کی تعطیلات ختم ہونے میں چند ایام باقی تھے اور میں سفر جہاد کی یادوں کو ساتھ لیے سیالکوٹ اپنے گھر اپنی مادر علمی میں دوبارہ اپنا تیسرا تعلیمی سال شروع کرنے کے لیے روانگی کی تیاری کر رہا تھا کہ ڈاکیا ایک خط لیکر حاضر ہوا جس پر صرف میرا نام لکھا ہوا تھا میں حیران ہوا کہ صرف میرے نام پر آج تک کوئی خط ہمارے گھر نہیں آیا عموماً والد محترم کا نام ہی تمام حلقوں میں جانا جاتا تھا بہرحال خط کھولا جوں جوں پڑھتا گیا آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا گیا دل ڈوب رہا تھا آخر ٹانگوں نے ساتھ چھوڑ دیا مجھے یاد ہے کہ میرے منہ سے صرف اتنا نکلا کہ "ہائے میرے استاد" ساتھیوں نے مجھے سہارا دیا اوسان بحال ہوئے۔وہ خط آج بھی میرے پاس اسی حالت میں محفوظ ہے جس میں مختصراً بیاں کیا گیا تھا کہ خالد سیفؒ 30 اپریل کو جلال آباد کے محاذ پر کمیونسٹوں کے ساتھ لڑتے ہوئے سینے پر گولی لگنے سے شہید ہو گئے ہیں۔

جس طرح میں نے عرض کیا کہ شہادت سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز نہیں امام کائنات ﷺ نے بار بار شہادت کی تمنا کی (البخاری) اللہ کی تلوار حضرت خالد بن ولیدؓ شہادت کی تمنا کرتے اس دنیا سے اٹھ گئے تمام سپہ سالار جرنیل اور اسلام کا سچا درد رکھنے والے اپنے دل میں شہادت کی آرزو رکھتے ہیں لیکن ان سب حقائق کے باوجود میں یہ بات فراموش نہیں کر سکتا کہ آج بھی جب شہید کی یاد آتی ہے دل میں ہوک سی اٹھتی ہے ایک کسک سی اٹھتی ہے اور میرے سامنے ایک ہنستا مسکراتا باوقار اور بارعب حسین چہرہ (جو مسکراتے وقت خوبصورت دانت نظر آنے کی وجہ سے مزید حسین ہو جاتا تھا) آجاتا ہے اور میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ :۔

یوں تو دنیا میں جلوہ نما تھے ہزاروں لوگ
تیرا جدا تھا رنگ جہاں تک نظر گئی

میرے استاد کا عطا کردہ جذبہ، ان سے منسلک لمحات، ان کے جلسے، ان کی تربیتی نشستیں، ان کی عسکری ٹریننگ اور ان کی یادیں میری زندگی کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔

میں جس طرح پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ چند سطور میں نے اس رجل عظیم کے بارے میں تحریر کر دی ہیں ورنہ اگر ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر اگر تھوڑی تھوڑی روشنی بھی ڈالی جائے تب بھی بات بہت طوالت اختیار کر جاتی ہے اس لیے میں اپنے جذبات کو یہیں پر ختم کرتا ہوں دعا ہے کہ اللہ شہیدؒ کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے لواحقین، احباب اور تلامذہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کا مشن زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آب وگل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں
تب کہیں اک آدمی کونین کا حاصل بنا۔